ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

# بچّوں کا اسلام


1043

اتوار 15 محرم 1443ھ
مطابق 14 اگست 2022ء




## تجدید عہد کر چلے!

### اسلحہ سے غفلت، ہلاکت ہے

القرآن

کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ تاکہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں، اگر تم بارش کے سبب تکلیف میں ہو یا بیمار ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اُتار رکھو مگر ہوشیار ضرور رہنا، اللہ نے کافروں کے لیے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔{سورۃ النساء}

### اسلحہ کے غلط استعمال کا نتیجہ

الحدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی شخص بلا قصد و ارادہ بھی اپنے مسلمان بھائی کو ہتھیار دکھا کر مت ڈرائے، کیا معلوم شیطان کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چل جائے اور یہ غفلت جہنم کے گھڑے میں گرنے کا سبب اور نتیجہ ثابت ہو''۔{صحیح بخاری و مسلم}

# مُختصر پُراثر

### خوش ہونا چاہیے:

امام بخاری کے شاگرد امام فربری کہتے ہیں کہ ایک دن امام صاحب مجھے احادیث املا کروا رہے تھے کہ انھیں میری اکتاہٹ کا اندازہ ہوگیا۔ فرمانے لگے: ''تمھیں خوش ہونا چاہیے۔ کھیلنے کودنے والے اپنی کھیل کود میں مست ہیں۔ صنعت و حرفت والے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ تاجر حضرات اپنی تجارت میں مصروف ہیں اور آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مشغول ہیں۔''(سیر اعلام النبلا)(حماد عزیز قاسمی)

### لوگوں پر ظلم کرنے سے بچو!

ابوبکر الوراق رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ زیادہ تر جو چیز دل سے ایمان کے نکل جانے کا سبب بنتی ہے وہ خلق خدا پر ظلم کرنا ہے۔(تنبیہ الغافلین)

### نعمت کی حفاظت:

سعودی داعی ڈاکٹر علی البدر کہتے ہیں: میں اپنے گھر سے نکلا تو ایک افغانی کو دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہا ہے۔ میں نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی مگر اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ جب قدرے سکون ہوا تو میں نے اس سے رونے کی وجہ دوبارہ پوچھی تو آنسو پونچھتے ہوئے اس نے کچرے دان کی طرف اشارہ کیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ کوڑے کے ڈبے میں چاول، گوشت، سبزیاں اور تازہ پھل پڑے ہوئے ہیں۔ کھانے کی تمام چیزیں صحیح سلامت ہیں۔ اس نعمت کی طرف اشارہ کرکے اس نے کہا: 'ہمارے ملک افغانستان میں بھی کسی زمانے میں خوشحالی تھی۔ اس دور میں ہم بھی جو کھانا بچ جاتا تھا اسے پھینک دیتے تھے۔ اس کی آج ہمیں یہ سزا ملی ہے کہ ہمارے ملک میں ۳۰ سال سے جنگ ہے اور لوگ خوراک کو ترس رہے ہیں۔' ایک شخص حلفیہ کہتا ہے: 'میں کسی زمانے میں صومالیہ گیا۔ وہاں کے عجائب گھر میں صومالیہ کے علمائے کرام کا ایک ۱۲۰ سال پرانا فتویٰ دیکھا۔ لکھا تھا کہ صومالیہ کے لوگوں کے لیے یہ بات جائز ہے کہ وہ نجد (ریاض اور اس کے اطراف کا علاقہ) کے لوگوں کو اپنی زکوٰۃ دیا کریں، کیونکہ نجد کے مسلمان انتہائی غریب ہیں اور اُن کے ہاں مستقل قحط ہے۔' سعودی عرب کے جنوبی علاقے کے ایک معمر شخص کا کہنا ہے: 'تیل کی دولت سے پہلے ہمارے ملک میں فقر و فاقہ تھا۔' اُس وقت صومالیہ امیر ممالک میں شمار ہوتا تھا۔ دیگر لوگوں کی طرح میں بھی صومالیہ کمانے گیا۔ اُس وقت صومالیہ کے لوگ بچا ہوا کھانا کوڑے دان میں ڈال دیتے تھے۔ آج صومالیہ کا حال یہ ہے کہ وہاں بچے ہوئے کھانے کو لوگ ترس رہے ہیں۔ نعمت حفاظت کی متقاضی ہے۔ نعمت گھر سے چلی گئی تو واپس نہیں آتی۔ اللہ ہمیں کفرانِ نعمت سے بچائے، آمین!(حافظ محمد ارسلان۔ کراچی)

### مسکراہٹ کے پھول:

مسکراہٹ کے پھول وہ ہیں جن کی خوشبو سے دوسروں کے چہرے مہک اٹھتے ہیں۔ یہ خلوص کے پھول ہیں جن کی مہک سے ہزاروں بجھے ہوئے دل دوبارہ روشن ہو جاتے ہیں، اس لیے ہر انسان کو چاہیے کہ وہ مسکرائے اور دوسروں کو خوش رکھنے کی بھرپور کوشش کرے۔ انسان اپنے اندر سے خواہ کتنا ہی دکھی کیوں نہ ہو، اسے اپنے چہرے پر مسکراہٹ کا خول سجا کر رکھنا چاہیے۔ دوسروں کو خوش رکھنا بڑی نیکی ہے۔
(خولہ شفیق۔ تھانہ رتیڑہ، تونسہ شریف)

### پتا نہیں:

سری لنکا کا ایک طالب علم مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ آپ نے اُس سے گفتگو کے دوران میں سوال کیا کہ کیا آدم علیہ الصلوٰۃ السلام تمھارے یہاں اترے تھے؟

اُس نے کہا: ''ایسا ہی سنا ہے۔''

آپ نے پھر سوال کیا: ''اُن کی کوئی اولاد وہاں ہے؟''

اس نے کہا: ''اُس کے متعلق تو کچھ پتا نہیں۔''

مجلس قہقہوں سے گونج اٹھی۔

(خرم شہزاد۔ کوہاٹ)

خط و کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد کراچی
bkislam4u@gmail.com
021 366 099 83

سالانہ زرِ تعاون: اندرونِ ملک 1200 روپے بیرونِ ملک ایک میگزین 18000 روپے دو میگزین 20000 روپے

# یومِ آزادی پر ایک بہترین تحفہ

## دستک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

خوشی کے کسی خاص موقع یا تہوار پر ایک دوسرے کو تحائف دینا ہماری بڑی خوبصورت مشرقی روایت ہے۔ انگریزوں کے جبر و استبداد سے آزادی کی خوشی اور اس خوشی کی یاد ایسی مسرت انگیز ہے کہ دل چاہتا ہے کہ خوب تحفے لیے اور لیے جائیں، وہ ہمارا مطلب ہے کہ لیے اور دیے جائیں......!

اب اِس سے قبل کہ ہمارا کوئی شرارتی سا تاریخ آشنا قاری ہمیں گورے انگریزوں سے آزاد ہو کر کالے انگریزوں کی غلامی میں آنے کا نوحہ سنانے لگے، ہم کان لپیٹ کر جلدی سے آگے بڑھتے ہیں۔

تو دوستو، بھائیو، بچو اور بزرگو!

آج یومِ آزادی پر ہم نے سوچا ہے کہ آپ سب کو ایک زبردست تحفہ دیا جائے۔ تفصیل اس تحفے کی یہ ہے کہ اِس سال اردو ادب میں ایک بڑا ہی منفرد کام ہونے جا رہا ہے۔ ایسا انوکھا اور بقول اہلِ پنجاب ''وکھرا'' کام جو پہلے کبھی نہیں ہوا۔ بلا مبالغہ ایک تاریخی کام، جس کی بابت پہلی بار پڑھا تو زَباں سے بے ساختہ واہ نکلا اور دل چاہا کہ اس کام کا بیڑہ اٹھانے والے کو شاباش اور انعام دیا جائے۔

سچ مچ جذبات کچھ ایسے امڈ کر آئے تھے کہ اگر اِس کام کے روحِ رواں جناب نوشاد عادل (جوادبِ اطفال کے بہت اچھے لکھاری بھی ہیں) ہمارے سامنے ہوتے تو ''مغل شہزادے'' کی طرح ہم ضرور سچے موتیوں کی کوئی مالا گلے سے نکال، اُن کی نذر کر دیتے۔

صد شکر کہ وہ اِس وقت سامنے نہ تھے اور جذبات کا یہ خرچیلا ریلا آ کے پتلی گلی سے نکل بھی گیا۔ سو اب آئیں گے تو ''فیصل شہزادے'' سے شاباشی میں ایک عدد تھپکی اور انعام میں ایک عدد کڑک دودھ پتی ساتھ ایک باقر خانی کے ہی پائیں گے!

خیر یہ سوغات بھی کچھ کم تو نہیں؛ مہنگائی کے اِس دور میں اگر افراطِ زر کو دیکھا جائے تو ۲۰۲۲ء کی دودھ پتی چائے مِع باقر خانی، ۱۵۲۲ء کی شاہی مالا سے قیمت میں زیادہ نہیں تو کچھ کم بھی نہ ہوگی!

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا بات ہے، آج مدیر چاچو در دل پر کچھ زیادہ ہی شوخ انداز میں دستک دے رہے ہیں! تو بھئی کیا کریں، رواں برس آپ کے مدیر چاچو کے دامن میں غم ہی کچھ ایسے اور اتنے بھر بھر آئے ہیں کہ آج کل تو چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی انمول لگا کرتی ہیں، پھر مذکورہ ''تحفے'' کی خوشی تو کچھ پہلوؤں سے ہمارے لیے پھر بھی ذرا بڑی خوشی ہے۔

سو قارئین! اب آپ کو مزید بور کیے بنا بتا دیتے ہیں کہ یہ تحفہ ہے ''قلم کتاب'' کا...... خیال جس کا بڑا ہی منفرد ہے۔

جی ہاں! اِس کتاب میں اردو ادب کے چار سو سے زیادہ ادیبوں کی ہاتھ سے لکھی تحریروں کو جمع کیا جا رہا ہے۔ اور یہ سب بہت ہی بڑے بڑے نام ہیں بھئی۔ قیامِ پاکستان سے پہلے کے بھی اور بعد کے بھی۔ اُنہی میں ہمارے آپ کے ممدوح حضرت اشتیاق احمد رحمہ اللہ بھی ہیں۔

ہم سبھی کو اپنے پسندیدہ ادیبوں سے آٹوگراف لینے کا شوق ہوتا ہے، سو یہ تو ایک پوری کتاب ہے جس میں ایک دو نہیں، چار سوا چار سو ادیبوں کے صرف آٹوگراف بھی نہیں، ان کے ہاتھ سے لکھی ایک ایک صفحے کی شاندار تحریر موجود ہے۔ گویا صرف ہاتھ کی لکھائی ہی نہیں، کچھ انتہائی دلچسپ اور نادر مخطوطات ہیں جو قلم کتاب کے خزانے میں یکجا ہو رہے ہیں!

اِس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ سرورق تا آخر ورق اس میں کمپیوٹر سے ایک نقطہ، حتیٰ کہ ایک ہندسہ بھی شامل نہیں کیا گیا ہے۔ سب کچھ ہاتھ سے لکھا اور شامل کیا گیا ہے۔

یہ سب کہنا اور لکھنا آسان ہے لیکن یہ کتنی بڑی مشقت کا کام ہے، اسے آپ دیکھ کر ہی سمجھ سکیں گے، اور اِس مشقت آمیز منفرد خیال کو عملی جامہ پہنایا ہے ہمارے دھان پان سے نوشاد عادل بھائی اور جناب محبوب الٰہی مخمور نے۔

اچھا! یہ ہم آپ کو بالکل نہیں بتانے والے کہ بڑے بڑے قدآور ادیبوں کے درمیان میں کہیں اِس ناچیز ''قدآور'' کی قلمی تحریر بھی شامل ہے۔ کیوں کہ ہم بالکل نہیں چاہتے کہ آپ وہ ڈاکٹری لکھائی پڑھ کر برے برے منہ بنائیں۔ سو کتاب میں سے وہ صفحہ نہ پڑھنے بلکہ نہ دیکھنے کی پیشگی درخواست ہے۔

ارے بھئی یہ کیا......؟

ہم نے شروع میں تحفے کا کیا لکھ دیا، آپ سب تو لگے ہمیں پتا بھیجنے کو قلم ڈھونڈنے!

اجی! ذرا ہلکا ہاتھ رکھیے، ہم بھلا کوئی ممبر قومی اسمبلی ہیں، جو بائیس لاکھ چون ہزار تین سو چوہتر قارئین کو کتاب خرید کر تحفہ دے سکیں؟

پیارے دوستو! ایسی ایسی انمول کتابوں سے آپ کو متعارف کروانا بھی کوئی کم تحفہ تو نہیں ہے؟

تو چلیے قلم کی بجائے فون ڈھونڈیے اور (03351620824) پر کال کر کے قلم کتاب منگوا لیجیے۔

ویسے اپنے سردوالے کاوش صدیقی بھائی نے اس ''قلم کتاب'' کے لیے کیا خوب کہا ہے کہ کم از کم ایک زائد نسخہ خرید کے اپنے اسکول یا محلے کی لائبریری میں ضرور رکھوائیے تاکہ بطور حوالہ کام آ سکے۔ گویا قلم کتاب خریدیے: ایک اپنے لیے، ایک تاریخ کے لیے۔

والسلام محمد فیصل شہزاد



ایک اسم ایک کہانی

# کیا آپ مجھے معاف کریں گے؟

یہ اسماءُ الحسنیٰ پر مبنی کہانی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات الرحمن الرحیم کو سہل انداز میں بیان کیا گیا ہے!

ترکی سے عربی ترجمہ: خالد جمال عبدالناصر
عربی سے اردو ترجمہ: ڈاکٹر میمونہ حمزہ
مصنف: یوکسل جلبنار

دوسرے ننھے منے پودوں کو ننھے صنوبر سے جلن محسوس ہونے لگی تھی۔ انھوں نے آپس میں اس کی غیبت شروع کر دی۔

ان میں سے ایک پودا بولا: ''یہ تو بڑا متکبر ہے۔''

دوسرا بولا: ''ٹھیک کہتے ہو بھائی! کیسے اتراتا رہتا ہے، اُس نے تو ہم سے کبھی بات ہی نہیں کی۔''

اُن میں سے ایک نے اس سے پوچھ ہی لیا:

''اتنے دوست کہاں سے مل جاتے ہیں تمھیں؟ کبھی کسی سے باتیں اور کبھی کسی سے۔ ہر روز کوئی نیا دوست تمھارے پاس ہوتا ہے۔ بس ایک ہمی سے بات نہیں کرتے تم!''

ننھا صنوبر پودے کی بات سن کر اداس ہو گیا۔ وہ اُن سے بھی بات کرنا چاہتا تھا مگر ابھی تک اسے اُن سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ یہ سارے پودے بھی مختلف جگہوں سے یہاں لائے گئے تھے اور انھیں ننھے صنوبر سے کچھ فاصلے پر ٹیلے کی جانب زمین میں لگایا گیا تھا۔ اسی لیے ننھا صنوبر یہاں تنہائی محسوس کرتا تھا۔ اُس نے کئی مرتبہ اپنے ساتھی پودوں سے بات چیت کرنے کی کوشش بھی کی تھی، لیکن وہ خود ہی شرمندہ ہو گیا۔ کسی نے اُس کی بات کا جواب ہی نہ دیا تھا۔ اُن کی جانب سے اسے کوئی حوصلہ افزائی ہی نہ ملی تھی۔

ننھا صنوبر سوچ رہا تھا کہ اسے اپنے ساتھی پودوں کی بلا جواز باتوں پر کیا کہنا چاہیے؟ یہی سوچ سوچ کر اسے کسی پہلو سکون نہ آ رہا تھا۔ آج چہکتی چڑیا بھی نہ آئی تھی، کیونکہ اس کی اپنی ہی غلطی کی وجہ سے اس کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ ننھا صنوبر چل کر اس کے پاس جا نہیں سکتا تھا، ورنہ وہ ضرور اس کے پاس جاتا اور اسے کہتا:

''شفاک اللہ! اللہ تعالیٰ تمھیں شفا دے۔''



اللہ نے چاہا تو ایک ہفتے تک وہ ٹھیک ہو جائے گی، لیکن ننھا صنوبر یہ ایک ہفتہ کس طرح گزارے؟ اگر وہ منے سے زعفران سے بات کر لیتا تو شاید بہتر محسوس کرتا، مگر زعفران تو سو رہا تھا۔ اچانک صنوبر کے اوپر سے ایک بڑا سایہ گزرا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ یہ ایک خوب صورت کبوتری کا سایہ تھا......!

اُس نے زندگی میں پہلی مرتبہ اتنی بڑی کبوتری دیکھی تھی۔

ننھے صنوبر نے اچانک ہی اسے مخاطب کیا: ''پیاری بہن! ذرا بات تو سنو۔''

کبوتری ہوا میں تھوڑی دیر کو رک گئی اور بولی: ''کیا کسی نے مجھے پکارا ہے؟''

''جی ہاں! میں نے۔''

''کیا تمھیں مجھ سے کوئی کام ہے؟''

''کام نہیں، بس آپ میرے ساتھ کچھ دیر بات کر سکتی ہیں؟ میں بور ہو رہا ہوں۔''

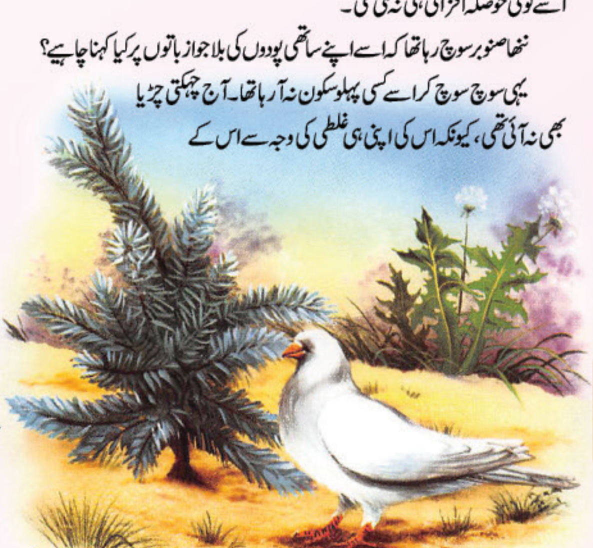
''کیوں نہیں؟'' خوبصورت کبوتری نیچے اتر آئی اور ننھے صنوبر کے قریب آ کر اس کی اس کی ایک شاخ پر بیٹھنے لگی۔

ننھا صنوبر اُس کی جسامت دیکھ کر ڈر گیا اور ذرا اسکڑ کر جلدی سے بولا:

''آپ ذرا پرے ہو کر بیٹھیں، میں تو ابھی چھوٹا سا ہوں، یہ نہ ہو کہ میری کوئی شاخ آپ کے بوجھ سے ٹوٹ جائے۔''

کبوتری نے اپنا رخ تبدیل کیا اور ذرا کنارے ہو کر ننھے صنوبر کے قریب ہو گئی اور ہولے سے بولی: ''ننھے صنوبر! میری معذرت قبول کرو۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ اگر میں تمھاری شاخ پر بیٹھوں تو وہ میرا وزن نہ اٹھا پائے گی۔''

''خیر کوئی بات نہیں آپ اپنا نام تو بتائیے؟'' صنوبر جھک کر بولا۔



''لو ابھی بتائے دیتی ہوں میرا نام حمام کبوتری ہے، لیکن میرے سب دوست مجھے یمامہ کہہ کر بلاتے ہیں۔''

ننھا صنوبر خوشی سے چلایا:

''واہ وا! آپ کا نام بھی کتنا خوبصورت ہے۔ کیا آپ کا کوئی مالک بھی ہے؟''

''جی ہاں بالکل، میں ایک پالتو پرندہ ہوں، ایک خوبصورت سا پیارا بچہ میرا مالک ہے۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے اور میں بھی اُس سے پیار کرتی ہوں۔''

''کتنے مزے کی بات ہے۔ مجھے بھی یہاں ایک پیارے سے بچے نے زمین میں لگایا تھا۔ مجھے وہ بہت پسند آیا تھا لیکن اُس روز کے بعد سے وہ مجھے کبھی نظر نہیں آیا۔''

چھوٹے پودوں نے ننھے صنوبر کو اونچی آواز میں بات کرتے سنا تو ان میں سے ایک منا پودا بولا: ''لو جی، انھیں آج باتیں کرنے کے لیے پھر کوئی نیا دوست مل گیا ہے۔''

دوسرے نے ٹانگ اڑائی:

''یہ بھی عجیب پودا ہے، جو بھی اسے نظر آ جائے اسی سے باتیں شروع کر دیتا ہے، اس کی باتیں اور کام نہ تو صنوبروں والے ہیں اور نہ چھوٹے پودوں والے، ذرا دیکھو تو، اُس میں کتنا تکبر ہے۔ کاش کہ وہ کبھی کوئی مفید بات بھی کرتا۔''

ننھے صنوبر نے ساتھی پودوں کی باتیں سنیں تو اُس کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی، لیکن اس نے اپنے غصے پر قابو پا لیا۔ وہ انھیں کوئی جواب نہ دینا چاہتا تھا۔

خوبصورت کبوتری نے بھی پودوں کی باتیں سن لیں تھیں، اس لیے وہ اُن سے پوچھنے لگی: ''تم سب پودے کیا کہہ رہے ہو؟''

ننھا صنوبر بولا:

''آپ اُن کی باتوں کی پروا نہ کریں۔ یہ ہمیشہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔''

کبوتری بولی: ''لیکن وہ تو تمھاری برائی کر رہے ہیں اور وہ بھی بہتان بازی، اور یہ اللہ میاں کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ ہمیں انھیں اُس پر خبردار کرنا چاہیے۔''

یہ کہہ کر خوبصورت کبوتری نوخیز پودوں کی جانب متوجہ ہوئی اور بڑے پیار سے کہنے لگی: ''پیارے دوستو! کسی کی غیبت نہ کرو نہ بہتان لگاؤ، کیونکہ اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کو غیبت، چغلی اور بہتان لگانے سے منع کیا ہے۔''

اونچا صنوبر بھی ان پودوں کی غیبت سے بہت تنگ تھا اور اس نے انھیں کئی مرتبہ منع بھی کیا تھا مگر کسی نے اس کی بات کو توجہ نہ دی تھی۔ آج جب اونچے صنوبر نے کبوتری کی بات سنی تو پھر انھیں توجہ دلائی:

''پیارے بچو! کبوتری نے بالکل درست بات کہی ہے۔ آپ سب نے بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔''

ایک ننھا پودا بولا: ''آپ دونوں کی بات ٹھیک ہے، لیکن ننھا صنوبر بھی تو ہم سے تکبر سے پیش آتا ہے نا۔''

ننھا صنوبر حیرت سے تکنے لگا: ''کیا میں متکبر ہوں؟''

تمام پودے یک آواز زور سے بولے:

''ہاں ہاں، تم متکبر ہو!''

''تم غلط بات کہہ رہے ہو دوستو! میں نے خود کو تم سے بڑا کبھی نہیں سمجھا، بلکہ میں تو اس نئی جگہ سے مانوس ہونے کی کوشش کر رہا ہوں تا کہ مجھے یہاں رہنے کی عادت ہو جائے۔ میں نے تم سے کئی مرتبہ بات کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے جواب نہیں ملا، پھر آپ سب بھی تو اس جگہ نئے ہیں، آپ بھی یہاں کے ماحول سے مانوس ہونے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ سورج کی حرارت اور تپش نے آپ کو بھی پریشان کر رکھا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں بھی یہاں پیدا نہیں ہوا ہوں بلکہ کچھ دن پہلے مجھے یہاں لگایا گیا ہے۔ مجھے ایسا لگا کہ شاید آپ کو میرا یہاں آنا ناگوار گزرا ہے۔ میرے پاس ایسی کوئی خاص بڑائی نہیں ہے کہ میں تکبر کروں۔ میں تو خود ایک چھوٹا سا پودا ہوں۔ اس سب کے باوجود میں آپ سے معذرت کرتا ہوں۔ میں نے بے خبری ہی میں آپ کو رنج پہنچایا ہے۔''

یہ سب کہتے ہوئے ننھا صنوبر اتنا غمزدہ ہوا کہ اُس کے آنسو بہنے لگے۔

اسے روتا دیکھ کر صنوبر کے دوسرے پودے دکھی اور نادم ہو گئے۔ وہ اس سے کہنے لگے: ''ہم تم سے معافی مانگتے ہیں پیارے دوست! ہم نے بغیر جانے اور سمجھے تم پر ایک الزام لگا دیا۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ تم ہمیں معاف کر دو گے۔''

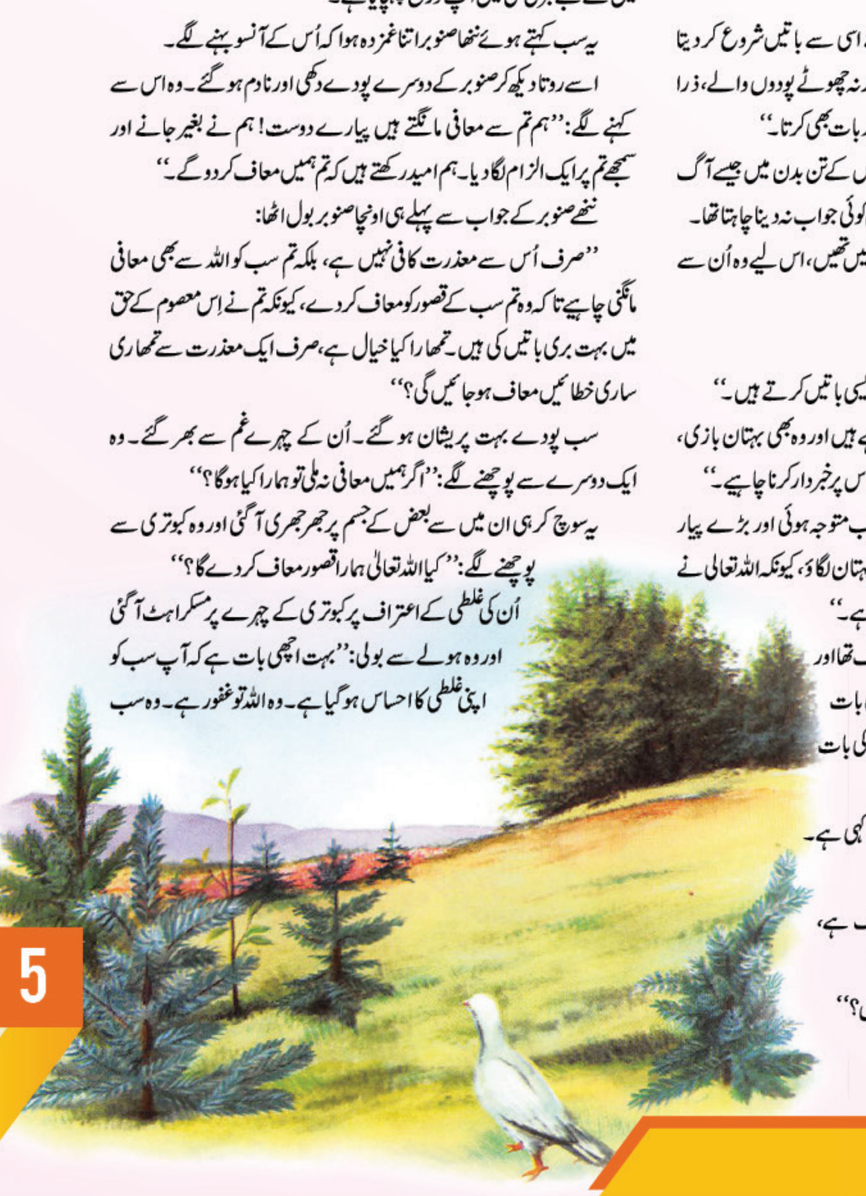
ننھے صنوبر کے جواب سے پہلے ہی اونچا صنوبر بول اٹھا:

''صرف اُس سے معذرت کافی نہیں ہے، بلکہ تم سب کو اللہ سے بھی معافی مانگنی چاہیے تا کہ وہ تم سب کے قصور کو معاف کر دے، کیونکہ تم نے اِس معصوم کے حق میں بہت بری باتیں کی ہیں۔ تمھارا کیا خیال ہے، صرف ایک معذرت سے تمھاری ساری خطائیں معاف ہو جائیں گی؟''

سب پودے، بہت پریشان ہو گئے۔ اُن کے چہرے غم سے بھر گئے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: ''اگر ہمیں معافی نہ ملی تو ہمارا کیا ہوگا؟''

یہ سوچ کر ہی ان میں سے بعض کے جسم پر جھرجھری آ گئی اور وہ کبوتری سے پوچھنے لگے: ''کیا اللہ تعالیٰ ہمارا قصور معاف کر دے گا؟''

اُن کی غلطی کے اعتراف پر کبوتری کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور وہ ہولے سے بولی: ''بہت اچھی بات ہے کہ آپ سب کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ وہ اللہ تو غفور ہے۔ وہ سب



خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے اور اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔''

کبوتری کی بات سن کر سب پودے خوش ہو گئے۔

کبوتری نے اپنی بات جاری رکھی: ''ہر ایک سے غلطی ہو جاتی ہے اور گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں، لیکن اہم بات یہ ہے کہ گناہوں پر اصرار نہ کیا جائے۔ انسان بھی تو بہت سے گناہ کرتے ہیں، پھر جو معافی مانگ لیتے ہیں، وہ بخش دیے جاتے ہیں۔''

ننھے صنوبر نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا: ''انسان کس خطا کا ارتکاب کرتے ہیں؟''

کبوتری بولی: ''اچھے انسان تو ہر وقت گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہر کام کرنے سے پہلے غور و فکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کہوں گی کہ میرا مالک ایک بچہ ہے، جو بہت اچھا ہے۔ وہ دوسروں کی مدد کرتا ہے، سچ بولتا ہے، بھاگ بھاگ کر سب کام کرتا ہے اور کسی کی برائی غیبت نہیں کرتا۔'' آخری جملے پر پودوں نے بے چینی سے پہلو بدلے، انھیں غیبت کے ذکر سے بہت شرمندگی ہوئی۔

کبوتری کو بھی ان کی پریشانی کا احساس ہو گیا، وہ بولی: ''میرا اشارہ آپ کی طرف نہ تھا۔ آپ کو تو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا ہے، اور میں جانتی ہوں کہ کسی توبہ کرنے والے کو اس کے پچھلے گناہ پر شرمندہ کرنا خود بہت گناہ کی بات ہے۔''

کبوتری کی بات سن کر سب پودے مطمئن ہو گئے۔

کبوتری نے دوبارہ بات شروع کی: ''میں کیا بات کر رہی تھی؟ ہاں میں اپنے چھوٹے مالک کی بات بتا رہی تھی۔ وہ کسی سے بری بات نہیں کہتا، نہ وہ اُن کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا، جبکہ ہمارے پڑوسی کا بچہ اس کے برعکس ہے اور اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔''

زعفران کے پھول کی بھی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ بھی کبوتری کی گفتگو سن چکا تھا، وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولا: ''کیا اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کریں گے؟''

کبوتری نرمی سے بولی: ''اللہ تعالیٰ اسے بھی معاف کر دیں گے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی غلط عادتیں چھوڑ دے اور یہ عزم کرے کہ آئندہ ایسی حرکتیں نہیں کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف کر دیں گے اور اُس سے درگزر فرمائیں گے، کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے، یعنی اُس کا عفو بہت بڑا ہے، وہ معاف کر دیتا ہے، اور اُس کی رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اگرچہ وہ پہاڑ جتنے بڑے ہوں تب بھی۔ ہمارے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم اُس سے بخشش اور معافی مانگیں۔ ہم اپنے برے کام پر نادم ہوں، اور دوبارہ اس کام کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیں کہ ہم ہرگز یہ غلطی دوبارہ نہ کریں گے۔''

ننھا صنوبر یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوا۔ اُس نے اپنے دل میں کہا: ''اللہ تعالیٰ کتنے پیارے رب ہیں۔ وہ اپنی مخلوق سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ وہ سب کے لیے خیر ہی چاہتے ہیں۔''

صنوبر کا ایک پودا فکر میں ڈوبا ہوا تھا، وہ بولا: ''کیا کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے جو گناہوں سے پاک ہو، یعنی معصوم عن الخطا ہو؟''

''غلطی تو ہر ایک سے ہی ہو جاتی ہے۔ گناہوں سے پاک تو کوئی نہیں ہوتا سوائے انبیاء علیہم السلام کے، اور اہم بات یہ ہے کہ ہم جانتے بوجھتے غلطی اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں یا ہم نادانستہ طور پر گناہ کر جاتے ہیں؟ اگر بلا ارادہ ہم سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو یاد آنے پر ہمیں فوراً توبہ کر لینی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ معافی مانگنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ گناہ اور خطا کو معمولی سمجھنے لگیں اور غلط کاموں میں پڑنے سے نہ بچیں اور نہ اس کی پروا کریں۔ ہم یہ سوچیں کہ اللہ تو غفور رحیم ہیں، وہ ہمیں معاف کر دیں گے۔ کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں تو وہ (شَدِیْدُ الْعِقَاب) سخت سزا دینے والے بھی ہیں۔''

کبوتری اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی: ''پیارے دوستو! آج تو روز کی نسبت بہت دیر ہو گئی۔ میرا مالک پریشان ہو رہا ہوگا۔ اب میں چلتی ہوں!''



وہ جانے لگی تو ننھا صنوبر بولا: ''کیا جاتے جاتے آپ میری ایک مدد کر سکتی ہیں؟''

''بالکل ضرور۔''

''آپ جاتے ہوئے چہکتی چڑیا کے پاس ہوتی جائیں، وہ ساتھ والے جنگل میں رہتی ہے، اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ اسے میری خیریت کی اطلاع دیتے ہوئے میرا اسلام کہہ دیں۔''

''ٹھیک ہے ننھے صنوبر! میں جاتے ہوئے اسی ٹیلے کے اوپر سے گزروں گی، کیونکہ میرا گھر اُس سے بھی آگے ہے، میں اسے تمھارا اسلام پہنچا دوں گی۔''

کبوتری نے اڑنے کے لیے پر پھڑپھڑائے اور بولی:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ! پھر ملیں گے۔''

سب یک زبان بولے: ''پھر ملیں گے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!''

کبوتری اُڑ گئی اور جنگل کے سب پودے خوش ہو گئے۔

صنوبر کے سب پودے ہی اب غلط کام کرنے سے بچنے لگے تھے۔ وہ سب بہت خوش تھے اور سب سے زیادہ خوش تو ننھا صنوبر تھا؛ کیونکہ سب پودے اب اس کے بہترین دوست بن گئے تھے۔ اور اُن سب نے یہ بھی جان لیا تھا کہ اللہ غفور رحیم ہے۔'' ☆......☆......☆

20

# میرِ حجاز

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

عرصہ دراز سے وادی بطحا میں بارش کی ایک بوند نہیں ٹپکی تھی۔

مکے کے ایک شخص نے دوسرے سے کہا: ''دیوتا ناراض دکھائی دیتے ہیں۔''

دوسرے نے کہا: ''چلو لات سے فریاد کرتے ہیں۔''

ایک اور بولا: ''منات کو بھی منانے کی ضرورت ہے۔''

ایک نو وارد نے کہا: ''تم ہر طرف مارے مارے پھرتے ہو جبکہ تمھارے پاس ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) کے خاندان کی یادگار موجود ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ ہم ابوطالب کے پاس جائیں۔''

اہل مجلس نے استفسار کیا۔

''بے شک۔'' نو وارد شیخ نے کہا۔

اس گفتگو کے وقت مکہ سے باہر کا ایک شخص جلہمہ بن عرفطہ بھی شریک محفل تھا۔

جب سب کھڑے ہو گئے تو اُن کے ساتھ جلہمہ بھی چل پڑا۔

انھوں نے ابوطالب کے دروازے پر دستک دی اور کچھ دیر بعد ابوطالب باہر آئے۔

''اے ابوطالب! قحط سالی نے ہر طرف خشک سالی کر دی ہے۔ بال بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ آپ ہمارے لیے بارش کی دعا مانگیے۔''

یہ بات سن کر ابوطالب گھر کے اندر گئے اور جب گھر سے باہر آئے تو جلہمہ نے دیکھا کہ ایک نوعمر اُن کے ساتھ تھا جو اس چاند کی مانند تھا جس سے گھنے بادل ابھی ابھی چھٹے ہوں۔ اس کے اردگرد اور بھی بچے تھے۔

ابوطالب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کی پشت خانہ کعبہ سے لگا دی اور بارش کی دعا کے لیے اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔

اُس نوعمر نے سراپا عجز و نیاز بن کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

اُس وقت آسمان پر بادلوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اچانک جلہمہ نے دیکھا کہ وہ مبارک ہاتھ اٹھتے ہی مختلف اطراف سے بادلوں کی ٹکڑیاں نمودار ہونے لگیں اور چند ہی لمحوں میں بادل اُمڈ کر آنے لگے۔

اور پھر ان کے کھڑے کھڑے ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ وادی کے ندی نالے رواں ہو گئے۔ شہر و بیاباں شاداب ہو گئے۔

تمام لوگ خوشی سے بے حال ہو رہے تھے۔ ابوطالب بھی خوشی سے جھوم رہے تھے اور اُس نونہال کی طرف دیکھ دیکھ کر پکار رہے تھے:

''وہ روشن مکھڑے والا جس کے چہرے سے بارش کا فیضان طلب کیا جاتا ہے!

یتیموں کی جائے پناہ اور بے کس مردوں اور عورتوں کا سہارا ہے!

لوگوں سے پوچھنے پر جلہمہ کو معلوم ہوا کہ یہ نوعمر ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہے۔

ابوطالب دن رات دیکھ رہے تھے کہ وہ اپنے بھتیجے کے بغیر جب بھی بچوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھتے تو کھانا پورا نہیں ہوتا تھا، لیکن جب ابنِ عبداللہ دسترخوان پر ہوتے تو سب خوب سیر ہو کر کھاتے اور کھانا بچ جاتا۔

یہ دیکھ کر ابوطالب اپنے یتیم بھتیجے کو کہتے:

''اے میرے بھتیجے! تُو بڑا ہی بابرکت ہے۔''

ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اس کے باوجود انھوں نے اپنے بھتیجے کی کفالت میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ حتیٰ کہ اپنے بچوں سے بھی زیادہ پیار ابن عبداللہ کو کرتے۔ ابوطالب نے اپنی محبت و شفقت کے آنسوؤں سے بھتیجے کے چہرے سے یتیمی کی گرد کو دھو دیا۔ ایک لمحے کے لیے بھی بھتیجے کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ اپنے قریب سلاتے، دسترخوان پر اگر محمد نہ ہوتے تو کسی بچے کو بھیجتے تاکہ وہ انھیں ڈھونڈ لائے۔

☆......☆

قبیلہ بنی ازد کا خاندانِ لہب قیافہ شناسی میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ وہ ایسے مردم شناس تھے کہ بچوں کی گفتگو سن کر یا لوگوں سے برتاؤ کرتے دیکھ کر ان کی آئندہ کی شخصیت کا اندازہ لگا لیتے۔ اسی قبیلے کا ایک مشہور قیافہ شناس مکہ میں آیا ہوا تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے بچوں کو لے کر اسے دکھانے کے لیے جا رہے تھے تاکہ معلوم کریں کہ ان کے بچے کا مستقبل کیا ہے۔

ابوطالب بھی اپنے بھتیجے کو لے کر اس کے پاس پہنچے۔ اس نے ایک مرتبہ محمدﷺ بن عبداللہ کو دیکھا اور کچھ بتائے بغیر دوسرے بچوں کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

قیافہ شناس جب دوسرے بچوں سے فارغ ہوا تو پوچھنے لگا: ''کچھ دیر پہلے میں نے ایک بچہ دیکھا تھا، اسے میرے پاس لاؤ''

اس کی آواز سے اس کا اضطراب جھلک رہا تھا۔

اس کی حرص کو دیکھ کر ابوطالب نے اپنے بھتیجے کو وہاں سے ہٹا دیا۔ وہ بار بار اصرار کرتا رہا کہ وہ بچہ میرے پاس لاؤ، وہ بچہ مجھے دکھاؤ۔ اللہ کی قسم! اس کی شان بہت بلند ہوگی۔

لیکن ابوطالب نے اس کے اصرار کے باوجود اسے اپنا بھتیجا نہیں دکھایا۔

(جاری ہے)

## اے اللہ!

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُکَ الْفَوْزَ فِی الْقَضَآءِ وَنُزُلَ الشُّھَدَآءِ وَعَیْشَ السُّعَدَآءِ وَالنَّصْرِ عَلَی الْاَعْدَآءِ۔ (ترمذی)

اے اللہ! میں التجا کرتا ہوں قضاء وقدر کے فیصلوں میں کامیابی کی اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے شہید بندوں والا اعزاز، اور تیرے نیک بخت بندوں والی زندگی اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔

# تجدید عہد کر چلے!



زاہدہ عروج تاج

"دادا جی! میرا نام آپ نے شیر کیوں رکھا، چیتا رکھنا تھا ناں۔"
ننھا پوتا دادا کی ٹانگ پکڑے بولا۔

"وہ کیوں بھلا؟"
دادا نے کچھ حیرت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"چیتا زیادہ خوبصورت ہوتا ہے ناں! کیا نہیں ہوتا دادا؟"

"اوپر سے آپ نے کرنل لکھوا دیا۔ شیر بھی بھلا کرنل ہوتے ہیں۔"

"بچے! جس شخصیت کے نام پر ہم نے تمھارا نام رکھا ہے ناں، وہ کرنل بھی تھا اور شیر بھی۔ بہادر اور دلاور، دشمن کے چھکے چھڑا دینے والا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ میرا شیر بھی کرنل بنے گا، فوج میں جائے گا، دشمن کو چھٹی کا دودھ یاد دلائے گا۔"

"دادا جی!" بچہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"جی بچے!"

"کرنل شیر نے کیسے بہادری دکھائی تھی؟"

"بیٹا! جب آزادی کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تو میں نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ وہاں ایک کرنل شیر خان نے ہمیں کمان کیا تھا اور بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ مجھے ہمیشہ اس شخص سے ایک محبت اور عقیدت رہی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تم لوگوں کے نام کے ساتھ شیر لگایا ہے۔" دادا نے جواب دیا۔

اس کے بعد تو جیسے معمول بن گیا۔ روزانہ رات کو یا جیسے ہی دادا کو فارغ بیٹھے دیکھتے تو ننھے شیر خان پہنچ جاتے آزادی کشمیر کے بہادر کے قصے سننے کے لیے۔ کرنل شیر خان کی بہادری اور دلیری کی داستانیں اس کے ننھے سے دل کو ایک ولولے سے بھر دیتیں۔

ایک رات سب گھر والے سوئے ہوئے تھے کہ اچانک اللہ اکبر کے زوردار نعروں سے سب کی آنکھ کھل گئی۔ گھبرا کر کیا دیکھتے ہیں کہ شیر خان اپنے بستر پر بیٹھا نعرے لگا رہا تھا۔

پوچھنے پر بتایا کہ میرے سامنے دشمن آ گیا تھا۔ سب مسکرانے لگے۔ پھپو نے مسکراتے ہوئے ماتھا چوما اور کہا کہ چلو دشمن کو تو تم نے بھگا دیا ہے، اب سو جاؤ۔

اب ایسا اکثر ہوتا کہ ننھے شیر خان نعرہ تکبیر لگاتے ہوئے جاگ جاتے اور اس کے نعروں سے سب گھر والے جاگ جاتے۔ ایسا جب اکثر ہونے لگا تو ابو نے اسے ڈاکٹر کو دکھایا۔ انھوں نے چیک کر کے کہا وہ بالکل ٹھیک ہے۔ بس اس کے خواب مختلف تھے۔ جس عمر میں بچے پریوں، رنگوں اور تتلیوں کے خواب دیکھتے ہیں وہ دشمن سے لڑائی کے خواب دیکھتا تھا۔ ایک دن وہ اسکول سے گھر آ رہا تھا کہ ایک مخبوط الحواس شخص نے اس کو پتھر مارا جو کہ اس کے ماتھے پر لگا۔ گہرا کٹ لگا اور خون بہنے لگا۔ جیسے ہی وہ گھر داخل ہوا اس کی بہن اور پھپو اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئیں اور رونے لگیں، لیکن شیر خان مسکراتا رہا۔

بہن نے پوچھا: "شیر درد نہیں ہو رہا؟"

تو ہنستے ہوئے کہا: "شیر کے لیے یہ ایک معمولی زخم ہے۔"

تھوڑا با شعور ہونے تک شیر خان عہد کر چکے تھے کہ وہ اپنے ملک کی آزادی اور سالمیت کی حفاظت میں اپنا کردار صف اول میں جا کر ادا کریں گے۔

کرنل شیر خان کے نام کا اثر تھا شاید کہ انھوں نے پاک فوج جوائن کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اس کے لیے انھوں نے اپنی پڑھائی میں خصوصی محنت کی اور ابتدائی تعلیم جون آباد سے حاصل کر کے گورنمنٹ ہائی اسکول نواں کلی صوابی میں داخلہ لے لیا۔ میٹرک نمایاں پوزیشن سے کیا۔

ایک دن چند دوست بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا اس ملک میں رکھا کیا ہے، میں تو جلد بیرون ملک چلا جاؤں گا۔ کرنل شیر کو اس کی بات پر بہت غصہ آیا بولے: "بھائی! تمھیں یہاں رہنا ہے رہو، نہیں رہنا نہ رہو، لیکن میرے وطن کو برا مت کہو، وہ وطن جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے۔ اِس وطن سے ہماری پہچان ہے۔"

کرنل شیر جذباتی انداز میں بولتے چلے گئے۔

شیر کو اپنے وطن سے عشق تھا۔ مزاج میں سنجیدہ پن تھا۔ اپنے وطن کی خدمت کا جذبہ ان کے خون میں رچا تھا۔ اسی لیے میٹرک کرتے ہی ۱۹۸۷ء وہ بطور ائیرمین

پاک فضائیہ میں شامل ہو گئے۔ جلد ہی اُن کی بہترین کارکردگی پر انھیں شاہین بچے کا خطاب دے دیا گیا۔

ائیر مین کی ملازمت کے ساتھ انھوں نے اپنی ایف ایس سی کی تعلیم بھی مکمل کر لی۔ اس کے بعد انھوں نے پاکستان ملٹری اکیڈمی کا آئی ایس ایس بی کا امتحان پاس کیا اور ۸ نومبر ۱۹۹۳ء کو بطور کیڈٹ منتخب ہو گئے۔ انھوں نے ویں لانگ کورس میں بطور جینٹل مین دو سالہ تربیتی کورس کیا۔

جب وہ وہاں پہنچے تو انھوں نے داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ انھیں داڑھی صاف کرنے کو کہا گیا تھا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ ان کے آخری سیشن میں اُن سے دوبارہ کہا گیا کہ آپ کی کارکردگی اچھی رہی ہے اگر آپ داڑھی صاف کر دیتے ہیں تو آپ کو اچھی پوسٹنگ مل سکتی ہے، لیکن دینداری ان کے گھرانے کی پہچان تھی۔ اور سنت رسول سے محبت ان کے دل میں بسی تھی۔ انھوں نے دوبارہ صاف انکار کر دیا۔ خیر پاسنگ آؤٹ پریڈ کے بعد انھیں سندھ رجمنٹ میں تعیناتی مل گئی۔ داڑھی صاف نہ کرنے کے باوجود اللہ کے کرم سے انھیں بٹالین کوارٹر ماسٹر کی پوزیشن دی گئی۔

یونٹ والے اکثر انہیں شیرا کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ وہ مطالعے کے بے حد شوقین تھے۔ بہت ذمے دار اور بہترین نشانہ باز ہونے کے ساتھ ساتھ وہ کھیلنے کے بھی شوقین تھے۔ اس کے علاوہ انھیں بہت کچھ سیکھنے کا شوق تھا۔ اس شوق کی وجہ سے انھوں نے اسکول آف انفینٹری اینڈ ٹیکٹکس کوئٹہ سے کئی پیشہ ورانہ کورسز کامیابی سے مکمل کیے۔

۱۹۹۷ء میں انھوں نے ٹیکنیکل کورس ملٹری کالج آف انجینئرز سے اچھے نمبروں سے نہ صرف پاس کیا بلکہ دوسری پوزیشن حاصل کی۔ اکثر فون پر اس وقت دلچسپ صورت حال پیدا ہو جاتی جب وہ اپنا تعارف کیپٹن کرنل شیر خان کہہ کر کرواتے تو دوسرا بندہ انہیں کمانڈنٹ آفیسر خیال کر لیتا تھا اور مؤدب ہو جاتا۔ بعد میں وہ اپنا تعارف یوں کرواتے کہ سر کرنل میرا نام ہے جبکہ رینک کیپٹن ہے۔

یکم جنوری ۱۹۹۸ء کو کرنل شیر خان کو ناردرن لائٹ انفنٹری کے اُس یونٹ میں بھیج دیا گیا جو کشمیر کے محاذ پر بھارتی فوج کا مقابلہ کر رہی تھی۔ وہ کشمیر جنت نظیر جس کی آزادی کی جدوجہد کی داستانیں سنتے سنتے شیر خان بڑے ہوئے تھے۔ اس وقت کارگل کی سترہ اٹھارہ ہزار فٹ بلند چوٹیاں بھی دفاعی اعتبار سے خاص مقام حاصل کر چکی تھیں۔ یہ جنگی چوکیاں جنگی نقطۂ نظر اور حکمت عملی کے لحاظ سے بھی بہت اہم تھیں۔ برف سے ڈھکی چوٹیوں پر مورچے اور چوکیاں قائم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ پاک فوج یہ مشکل کام کر کے تسخیر کے جھنڈے گاڑ چکی تھی۔ پاکستانی فوج ان چوکیوں سے حملہ کر کے ہندوستانی فوج کا رسد کا راستہ بند کر دیتی تھی جس کی ان لوگوں کو بہت تکلیف تھی۔

ان چوکیوں پر جب کرنل شیر خان کو نگران بنایا گیا تو انھوں نے اپنی ذہانت اور حکمت عملی سے انھیں ناقابل تسخیر قلعوں جیسا بنا دیا تھا۔ گلتری کے مقام پر ان کی پانچ چوکیاں دفاعی اعتبار سے انتہائی مضبوط تھیں۔ اس مقصد کے لیے وہ ہر وقت چوکس رہتے اور بہت کم سوتے اور ان کی نگرانی کسی شیر کی طرح ہی کرتے۔

## مٹھاس آم کی

دل کو مسحور کرتی ہے باس آم کی
مست کرتی ہے من کو مٹھاس آم کی

شیک پینے سے بھی وہ نہیں بجھتی ہے
موسمِ آم میں ہے جو پیاس آم کی

الفتِ آم نے یوں دکھایا ہے رنگ
آگئیں پیٹیاں میرے پاس آم کی

پوری ہوتی ہے امید بس تین ماہ
نو مہینے میں رکھتا ہوں آس آم کی

آم والا کوئی کیسے ٹھگ دے بھلا
جب ہے پہچان اے ون کلاس آم کی

عام لوگوں سے اظہار کیسے کروں
میرے دل میں جو چاہت ہے خاص آم کی

خالقِ آم ہی کی یہ توفیق ہے
مجھ کو مدحت جو آئی ہے راس آم کی

کیا اثرؔ جونپوری ہے اس سے خفا
کیوں طبیعت ہے آخر اداس آم کی

ایک بار وہاں سے اپنے دوست کو خط لکھا کہ ہمیں جنگ بدر والا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اندر غلامی کے اثرات ابھی بھی موجود ہیں لیکن شکر ہے یہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتے جارہے ہیں۔

انھوں نے مزید ایک بہت گہری بات لکھی کہ ہمیں کیسے جینا ہے یہ نہ بھی پتا ہو تو ہمیں یہ ضرور پتا ہونا چاہیے کہ ہمیں کیسے مرنا ہے۔

☆......☆

سیاچن سے وہ گھر آئے تو بہت کمزور لگ رہے تھے۔ گھر والوں نے پوچھا، اتنے کمزور کیوں ہو گئے؟ کہنے لگے موسم کی شدت کی وجہ سے۔ چند دنوں میں برف پگھل جائے گی تو صحت بہتر ہو جائے گی۔ اہل خانہ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور خصوصی خاطر مدارات کی۔

کیپٹن کرنل شیر خان شروع سے بہت کم گو تھے، لیکن اس بار گھر والوں سے اور اپنی پھپو سے (جنھوں نے انھیں پالا تھا کیوں کہ شیر جب آٹھ سال کے تھے ان کی والدہ وفات پا گئی تھیں) سیخوب باتیں کیں۔ ایک بار سب گھر والے بیٹھے تھے۔

بڑے بھائی نے یونہی پوچھا: ''یار کرنل! فضائیہ سے انفنٹری میں کیوں آ گئے؟''

''بھائی! انفنٹری اس لیے جوائن کی کہ اُس میں دشمن سے دست بدست لڑائی کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔''

''اور ہمارا کرنل شیر تو بڑا ہی دشمن سے لڑتے ہوئے ہوا ہے۔''

دوسرے بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''جی جی لیکن خوابوں میں۔''

بڑی بہن نے شرارت سے کہا۔

''خوابوں میں لڑنا حقیقت میں کام آتا ہے۔''

کرنل شیر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

اسی اثنا میں کشمیر کے بارے میں بات ہونے لگی۔ بڑے بھائی نے پوچھا:

''کشمیر کا مسئلہ آخر کب حل ہوگا؟''

ان شاءاللہ جلد حل ہوگا اور گولی سے ہی حل ہو گا۔'' کرنل شیر خان نے جواب دیا، پھر بولے:

''پھپو جان اور بابا آپ نے میری شہادت کے لیے خصوصی دعا کرنی ہے۔''

☆......☆

واپس ڈیوٹی پر لوٹے تو کیپٹن کرنل شیر خان کو اپنے فرائض سے محبت اور لگن کی وجہ سے اٹھارہ ہزار چار سوفٹ بلندی پر دفاعی نقطہ نظر سے ایک اہم ترین پوسٹ پر تعینات کیا گیا۔

یہ پہاڑیاں بارہ مہینے برف کی چادر اوڑھے رہتی ہیں۔ بھارتی فوج پاکستانی چوکیوں پر قبضہ کرنا چاہتی تھی، لیکن پاک فوج کے نڈر اور دلیر جوانوں نے کبھی انھیں کامیاب نہ ہونے دیا۔

وسط مئی ۱۹۹۹ء سے ہی بھارتی فوج کی نقل و حرکت غیر معمولی طور پر کنٹرول لائن پر بڑھ چکی تھی۔ اُن دنوں بھارتی فوج نے کشمیری مجاہدین پر گولہ باری بھی شروع کر رکھی تھی، ساتھ ہی اپنی فضائیہ کو بھی میدان میں اتار لیا تھا۔

۲۸ مئی کو گیارہ بج کر پچاس منٹ پر بھارت کی فضائیہ کے دو مگ لڑاکا طیارے پاکستان کی فضائی حدود میں داخل ہوئے۔ ان کا مقصد پاک فوج کی ایک چوکی پر حملہ کرنا تھا۔ یہ دونوں طیارے پاکستانی

# اچھی خبریں 6

نظر سے گزرنے والی اکثر چوری، ڈکیتی اور قتل وغارت کی خبریں لاکھوں کروڑوں لوگوں میں سے صرف چند ایک کی ہوتی ہیں۔ اِس سے معاشرے کی اصل عمومیت سامنے نہیں آ پاتی۔ سالہا سال ہم ہر وقت برائیوں کی خبریں سنتے رہتے ہیں تو ذہن میں عام آدمی کے بارے میں ایک برا تصور جم جاتا ہے۔ ہر شخص دوسرے آدمی پر شک اور بدگمانی کرتا ہے، جس سے خراب معاشرے کی مضبوط بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اصل حالات جاننے کے لیے بچوں کا اسلام کے ملک بھر میں پھیلے رپورٹر کی اچھی خبریں پڑھیے:

☆......ایک دوست بتا رہے تھے کہ ابھی میں نے اپنے ایک غریب ترین شاگرد کا فیس بک اسٹیٹس دیکھا کہ مسجد نبوی کے صحن کی تصویر لگائی ہوئی ہے۔ مجھے اس کے زیارتِ حرمین کے شوق کی خبر تھی، سو دل میں ایک ہوک سی اٹھی کہ کاش! اللہ میاں اس بے چارے کو بھی سفرِ حرم نصیب کر دے۔ اس کی والدہ بیمار ہیں اور گھر میں اکثر اوقات فاقے رہتے ہیں۔ میں نے تسلی کے لیے تبصرہ کیا کہ بھائی! اِن شاءاللہ آپ کے غربت کے دن ختم ہوں گے اور یہاں حاضری بھی ہو جائے گی۔ اس نے روتے ہوئے جواب دیا: ''استاد جی! میں حرم میں بیٹھا ہوں لیکن حج کے لیے پہنچا کیسے ہوں، کچھ نہیں پتا۔ پھر تفصیل لکھی کہ غالباً ایک ہفتہ قبل مسجد سے گھر جا رہا تھا کہ کسی کے موبائل سے رنگ ٹون میں لبیک اللھم لبیک کی آواز سنی۔ بس دل بھر آیا، دیوار کی اوٹ میں ہو کر بہت رویا اور روتے روتے تلبیہ کہتا رہا۔ کچھ دیر بعد گھر آیا تو ایک گھنٹے بعد میرا ایک مقتدی آیا اور مجھے کہا: پاسپورٹ بنا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں بنا ہے۔ کہنے لگا کہ پھر چلو حج پر جاؤ اور سارے اخراجات اور بندوبست دنوں میں اُس نے کر دیے۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سب کیسے ہو رہا ہے؟ پرسوں صبح اس نے مجھے گھر سے لیا، کافی سارے نقد ریال دیے اور ائیر پورٹ سے جہاز پر بٹھا دیا اور کہنے لگا: ''آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہنا، میرے لائق کوئی اور خدمت؟'' (محمد ہاشم)

☆......تیرہ سال قبل کی بات ہے کہ میرا کمپیوٹر کا کچھ سامان رکشے میں رہ گیا۔ رکشے والے کو گھر نہ مل سکا تو اس نے وہ سامان اُس دکان پر پہنچا دیا جس دکان سے میں نے کمپیوٹر اور سامان رکشے پر رکھا تھا۔ (طاہر محمود)

فضائیہ نے مار گرائے اور اس طرح بھارت پر اپنی قوت کا سکہ جمایا۔

بھارتی فضائیہ نے ۱۹۷۱ء کے سانحہ ڈھاکا کے بعد مقبوضہ کشمیر میں پہلی مرتبہ فضائی قوت استعمال کی تھی۔ یہ انتہائی خطرناک صورت حال تھی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق بھارتی فضائیہ کے بمبار طیارے مئی تا جون تک اٹھارہ روز تک مسلسل دو دو ہزار پونڈ وزنی بم گراتے رہے جبکہ سینکڑوں بوفور توپیں گولہ باری میں مصروف رہیں۔ ان چوکیوں پر جو پاک فوج کے جوان تعینات کیے گئے، ان کے درست نشانوں نے بھارتی فوج میں حقیقی معنوں میں کھلبلی مچا رکھی تھی۔ کیپٹن کرنل شیر خان جس پوسٹ پر تعینات تھے، وہاں بھارت نے اپنی فوج کو گلتری کے مقام پر موجود چوٹیوں پر قبضے کا ٹاسک دے رکھا تھا، جن کی حفاظت کرنل شیر خان کر رہے تھے۔ وہاں انھوں نے تقریباً آٹھ حملے کیے اور ان کے حملوں سے بھارتی فوج کو بے پناہ نقصان اٹھانا پڑا۔ جب بھارتی فوج کے سپاہی صفیں توڑ کر بھاگتے تو شیر خان زوردار آواز میں نعرے لگاتے اور یہ کہتے کہ بھارتیو! جب تک کرنل شیر یہاں زندہ موجود ہے، اللہ کے حکم سے تمھارا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا ان شاءاللہ تعالیٰ۔

یہ سات اور آٹھ جون کی درمیانی شب تھی۔ بھارتی فوج نے ایک بٹالین کے ساتھ کیپٹن کرنل شیر خان کی پوسٹ پر عقب سے بھرپور حملہ کیا۔

کیپٹن کرنل شیر نے نہ صرف حملہ روکا بلکہ دشمن کی ناکہ بندی کرتے ہوئے اسے شدید نقصان پہنچایا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ بھارتی فوجی پتھریلی چٹانوں کی اوٹ لے کر چھپے بیٹھے تازہ کمک کا انتظار کر رہے تھے، جبکہ کرنل شیر خان اپنے جوانوں کے ساتھ گشت کر رہے تھے۔ اچھی طرح منصوبہ بندی کر کے انھوں نے بھرپور حملہ کیا اور دشمن کے چالیس سے زائد سپاہی مار گرائے۔

غرض کافی دن تک جنگ جاری رہی دشمن روز وار کرتا اور منھ کی کھا کر پسپا ہوتا۔ ایک دن بھارتی فوج نے دو بٹالین کی بھاری نفری کے ساتھ کیپٹن کرنل شیر خان کی چوکی پر ایک زوردار حملہ کیا۔ یہ ایک ہمہ پہلو یعنی ہر طرف سے حملہ تھا۔ اس کے نتیجے میں دشمن چوکی کے ایک حصہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا، لیکن کرنل شیر خان ذرا نہ گھبرائے بلکہ نئے عزم اور ولولے کے ساتھ اپنے جوانوں کا حوصلہ بلند کیا، اور بجلی کی طرح جھپٹ کر اپنے کھوئے حصے پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔

اس معرکے میں دشمن کے تین سو فوجی جہنم واصل ہوئے۔

انتہائی بہادری اور بے جگری سے لڑے، انھیں ان کا حق دیا جانا چاہیے۔''

برگیڈیئر باجوہ کا یہ بھی کہنا تھا کہ ''میں نے آج تک ایسی بے خوفی اور دلیری کے ساتھ کسی کو لڑتے نہیں دیکھا اور میں اپنے فوجیوں کو کہہ رہا تھا کہ اس ٹریک سوٹ والے کو ہٹ کرو، اس پر قابو پاؤ۔''

کیوں کہ اس وقت باقی سب جوان عام کپڑوں میں تھے، صرف کیپٹن کرنل شیر خان وردی میں تھے، اور انتہائی پھرتی اور مہارت سے محاذ پر لڑ رہے تھے۔ انھوں

## سب سے زیادہ

☆ امریکا دنیا میں سب سے زیادہ جنگی طیارے رکھنے والا پہلا ملک ہے، جس کی فضائیہ میں 13 ہزار 398 جنگی طیارے شامل ہیں۔

☆ دنیا میں سب سے زیادہ زلزلے جاپان میں آتے ہیں۔ سالانہ 1500 زلزلے۔

☆ دنیا میں سب سے زیادہ طویل عمر رکھنے والے جاپانی ہیں، جبکہ حیرت انگیز طور پر جاپان ہی وہ واحد ملک ہے جہاں دو ایٹم بم برسائے گئے۔

☆ دنیا میں سب سے زیادہ ارب پتی افراد ایشیا میں رہتے ہیں۔

☆ قطر کی فی کس آمدنی دنیا میں سب سے زیادہ ہے جو 1280000 ایک لاکھ اٹھائیس ہزار امریکی ڈالر سالانہ ہے۔

☆ پاکستانی طالبہ زارا نعیم ڈار نے ایسوسی ایشن آف چارٹرڈ سرٹیفائیڈ اکاؤنٹنٹس کے دسمبر 2020 کے امتحان میں پوری دنیا میں سب سے زیادہ نمبر لے کر پاکستان کے لیے ایک اعزاز حاصل کیا ہے۔

محمد احمد۔ اتحاد ٹاؤن کراچی

کیپٹن کرنل شیر خان اس لڑائی میں کافی دور تک نکل گئے تھے۔ وہ شدید زخمی تھے لیکن دشمن سے دست بدست لڑنے کے لیے آگے بڑھتے رہے۔ اچانک ایک زخمی بھارتی فوجی نے اٹھ کر ان پر پورا برسٹ فائر کر دیا اور یوں شدید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ۵ جولائی کو آپ نے اس حال میں جام شہادت نوش کیا کہ ان کی انگلی بندوق کی لبلبی پر تھی۔

یہ بات کم ہی دیکھنے میں آتی ہے کہ دشمن فوج اپنے مقابل کسی فوجی کی بہادری اور دلیری کی تعریف اور تصدیق کرے، لیکن جب کیپٹن کرنل شیر خان کا جسد خاکی واپس کیا گیا تو ان کی جیب میں بھارتی برگیڈیئر ایم ایس باجوہ نے ایک خط رکھ دیا، جس میں لکھا تھا: ''این ایل آئی کے کپتان کرنل شیر خان

نے دورانِ جنگ دشمن کی کمپنیوں کو اس طرح بھگایا کہ لگتا تھا وہ پورے ایک برگیڈ کے ساتھ حملہ کر رہے ہیں۔ تاہم وہ صرف بیس جوانوں کے ساتھ تھے۔

☆......☆

کیپٹن کرنل شیر خان یکم جنوری ۱۹۷۰ء کو خیبر پختون خواہ کے ضلع صوابی کے ایک گاؤں جون آباد میں پیدا ہوئے، اور ۵ جولائی کو معرکۂ کارگل کے محاذ پر گلتری کے مقام پر شہید ہوئے۔

حوالدار لالک جان شہید نشان حیدر بھی انہی کی یونٹ سے تھے۔ تاہم کیپٹن کرنل شیر خان خیبر پختونخواہ کے نشانِ حیدر کا اعزاز حاصل کرنے والے پہلے شہید ہیں۔ وہ اپنی والدہ کے پہلو میں دفن ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

☆☆☆

# ڈر کیسا؟

چچا مائل خیر آبادی

ایک بادشاہ تھا۔ وہ بادشاہ ذرا ذرا سی بات پر غصہ کرنے لگتا تھا۔ جہاں کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف ہوئی بس وہ آگ بگولہ ہوگیا۔ پھر دو ایک جان لیے بغیر اس کا غصہ کم نہیں ہوتا تھا۔ وہ اپنے ملک میں بہت ظالم مشہور تھا۔ لوگ اس کے سامنے جاتے ہوئے بید کی طرح کانپتے تھے۔

بادشاہ ہر روز حجامت بنواتا تھا۔ جو نائی حجامت بنانے جاتا، وہ بے چارہ ڈر کے مارے کانپا کرتا۔ ڈر کا نتیجہ یہ ہوتا کہ بال بنانے میں ہاتھ کانپ جاتا اور بادشاہ کے کہیں نہ کہیں چرکا لگ جاتا۔

چرکا لگ جانے پر بادشاہ غصے سے چلا اٹھتا: ''اُفوہ! مار ڈالا۔''

پھر کیا تھا، بادشاہ نائی کو قتل کرا دیتا۔

توبہ! کیسا ظالم تھا ناں وہ بادشاہ!؟

اس طرح ہر روز ایک نائی کا قتل ہوتا۔

اب ڈر کے مارے کوئی نائی اس کی حجامت بنانے نہ جاتا۔ سب اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے۔ اپنی جان بچانے کی سب کو فکر ہونی ہی چاہیے۔

جب بادشاہ نے دیکھا کہ کوئی نائی نہیں آتا ہے تو اس نے نائیوں کے چودھری کو بلایا اور اُسے حکم سنایا کہ اگر ہر روز میری حجامت نہ بنتی رہی تو گھر بار سمیت تم کو کولھو میں پلوا دوں گا۔''

بے چارے چودھری نے یہ حکم سنا تو روتا ہوا گھر کو چلا۔

گھر اور محلے والوں نے یہ بات سنی تو رونا پیٹنا پڑ گیا۔

اب سنیے! چودھری کا ایک لڑکا تھا۔ اس کی عمر تو چودہ پندرہ ہی برس کی تھی مگر تھا بڑا سمجھ دار۔ اُس نے سوچا: ''کیا بات ہے جو بال بناتے وقت بادشاہ کے چرکا لگ جاتا ہے؟ وہ سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے اس کی سمجھ میں آ گیا، وہ خوش ہو کر آگے بڑھا اور چودھری سے کہا: ''ابّا جان! بادشاہ کے بال بنانے میں جاؤں گا۔''

چودھری نے بیٹے کی زبان سے یہ سنا تو گلے لپٹا لیا اور بولا:

''بیٹا! میں مرنے کے لیے تم کو بادشاہ کے پاس جانے نہ دوں گا۔ پھر تم کو ٹھیک سے بال بنانا بھی نہیں آتے۔''

اسی طرح اور لوگوں نے بھی لڑکے کو سمجھایا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔

اُس نے کہا: ''آخر ایک دن مرنا ہے تو مرنے سے ڈر کاہے کا؟ آپ لوگ گھبراتے کیوں ہیں؟ موت اور زندگی تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ ترکیب میری سمجھ میں آ گئی ہے، اللہ نے چاہا تو میں کامیاب ہوں گا۔

گھر اور محلّے کے لوگ گھبراتے ہی رہے مگر لڑکا قینچی اور اُسترا وغیرہ لے کر بادشاہ کے سامنے جا پہنچا۔

بادشاہ نے اُسے دیکھا تو ہنسا اور کہا: ''تُو میرے بال کیا بنائے گا؟ کیا تجھے یہ معلوم ہے کہ اگر چرکا لگا اور خون نکلا تو مروا ڈالوں گا۔''

لڑکے نے جواب دیا۔ ''جی ہاں! مجھے معلوم ہے۔''

یہ کہہ کر لڑکا بادشاہ کے بال بنانے لگا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ لڑکے نے بہت جلد حجامت بنا دی اور کہیں چرکا بھی نہیں لگا۔

اُس نے لڑکے سے پوچھا: ''سچ کہو، کیا بات ہے؟ تم زیادہ ماہر بھی معلوم نہیں ہوتے، مگر بال جلد بنا دیے اور مجھے آج تکلیف بھی نہیں ہوئی۔''

لڑکے نے جواب دیا: ''اے بادشاہ! اب تک جتنے لوگ حجامت بنانے آئے، وہ ڈر کی وجہ سے کانپتے رہتے تھے۔ اِس لیے بال بناتے وقت اُن کا ہاتھ کانپ جاتا تھا اور چرکا لگ جاتا تھا۔ میں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا، اور میں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ موت اور زندگی خدا کے بس میں ہے۔ اس لیے بے دھڑک بال بنانے لگا۔ میں نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ اگر چرکا لگا اور خون نکلا تو اسی اُسترے سے آپ کا گلا ہی کاٹ دوں گا تاکہ روز روز کی جھنجھٹ ختم ہو جائے اور اللہ کے بندے آپ کے ظلم سے بچ جائیں۔ بس اِسی نڈر پن کی وجہ سے میں کامیاب رہا۔ اے بادشاہ! اللہ سے ڈرنے والے کسی سے نہیں ڈرتے۔''

بادشاہ لڑکے کی سچائی اور نڈر پن کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے لڑکے کو بہت سا انعام دیا۔ پھر وہی لڑکا شاہی حجام ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ لڑکے نے دھیرے دھیرے بادشاہ کے دل میں بھی اللہ کا ڈر پیدا کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے ظلم کرنا بالکل چھوڑ دیا۔

مختصر مختصر

# گدھے کی ذہانت

احمد عدنان طارق۔ فیصل آباد

چنٹا ایک گدھا تھا۔ ایک دن وہ دوسرے گدھوں کے ساتھ، جو اس کے دوست تھے جنگل میں مٹر گشت کر رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر گھاس کے گٹھوں پر پڑی۔ اس نے رینکتے ہوئے اپنے دوسرے دوستوں کو بھی سبز سبز گھاس کے بارے میں بتایا اور وہ تیزی سے وہاں پہنچ کر گھاس چرنے لگے، لیکن دراصل یہ سبز گھاس ایک پھندہ تھی۔ جو ایک گہرے گڑھے کے اوپر ڈالی گئی تھی۔ یہ گڑھا شکاریوں نے ہاتھیوں کے لیے کھود رکھا تھا۔ چنٹا بے چارہ گھاس چرتے چرتے گڑھے میں گر گیا۔

اس کے دوست بہت خوف زدہ تھے۔ انھیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں؟ لیکن چنٹے نے امید کا دامن نہیں چھوڑا۔ وہ مایوس نہیں ہوا۔ اس نے اپنے دوستوں کو کہا کہ وہ گڑھے میں مٹی پھینکیں۔ اس کے دوستوں نے ویسا ہی کیا جیسا چنٹے نے کہا تھا۔

آہستہ آہستہ مٹی سے گڑھے کی سطح بلند ہونے لگی اور آخرکار چنٹا گڑھے سے باہر آ گیا۔

وہ اور اس کے دوست بہت خوش تھے۔ وہ ہنستے کھیلتے گپیں ہانکتے وہاں سے روانہ ہو گئے۔

سبق: ہمیں کسی حال میں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

# شاہکار

جسم کو کئی بار مشین سے تشبیہ دی جاتی ہے لیکن یہ اس سے بہت بڑھ کر شے ہے۔

یہ چوبیس گھنٹے کام کرتا ہے اور دہائیوں تک مسلسل کرتا ہے۔ اسے مشینوں کی طرح روک کر سروس کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور (عام طور پر) اسپیئر پارٹس درکار نہیں ہوتے۔ یہ پانی اور چند نامیاتی مادوں پر گزارا کرتا ہے۔ نرم اور دلکش ہے۔ حرکت کرتا ہے اور لچکدار ہے۔ اپنی افزائشِ نسل کرتا ہے۔ مذاق کرتا ہے، اس سے لطف اندوز ہوتا ہے، محبت، شفقت اور دوسرے جذبات کو محسوس کرتا ہے۔ غروبِ آفتاب کے وقت شفق کی سرخ لالی اور ہوا کے سرد جھونکے سے محظوظ ہوتا ہے۔

آپ کتنی مشینوں سے واقف ہیں جو اِن میں سے کچھ بھی کرسکتی ہیں؟

ترجمہ و تلخیص: سروہارا امبارکر

بے شک، آپ ایک شاہکار ہیں۔ اور صرف آپ ہی نہیں، ایک چڑیا بھی۔

اور ہم اپنے وجود کے کرشمے کا جشن کیسے مناتے ہیں؟

کئی لوگ بہت سا کھا کر اور ورزش سے مکمل اجتناب کرکے۔

ذرا غور کریں کہ آپ اپنے حلق کے نیچے کتنی خوراک اتارتے ہیں؟ اور روشن اسکرین کے سامنے ساکن حالت میں کتنی دیر گزارتے ہیں؟

لیکن معجزانہ طریقے سے، ہمارا جسم اپنا خیال رکھ لیتا ہے۔ خوراک سے متفرق غذائیت اخذ کر لیتا ہے اور کسی نہ کسی طرح ہمارا نظامِ زندگی دہائیوں تک بلاتعطل جاری رکھتا ہے۔ بدترین طرزِ زندگی کے باوجود بھی اسے خراب ہوتے ہوتے کئی دہائیاں لگ جاتی ہیں۔

جی ہاں! اس جسم کے ساتھ سب کچھ غلط کیا جائے، تب بھی یہ خود کو برقرار رکھ لیتا ہے۔ ہم خود اس کا تجربہ ہیں۔ تمباکو نوشی کتنی بری بات ہے اور پھیپھڑوں کے کینسر کی ایک بڑی وجہ، مگر ہر چھے میں سے پانچ سگریٹ نوشوں کو پھیپھڑے کا کینسر نہیں ہوگا۔ بہت سے لوگ جن میں ہارٹ اٹیک ہونے کے تمام اسباب ہوتے ہیں، اس سے دور رہیں گے۔ اندازاً ہر روز ہمارے ایک سے پانچ کے درمیان خلیے کینسر زدہ ہوجائیں گے، لیکن ہمارا امیون سسٹم انھیں پکڑ لے گا اور مار دے گا۔ ذرا سوچیں کہ سال میں ہزار مرتبہ سے زیادہ بار آپ کو ہمارے عہد کا موذی ترین مرض لاحق ہوگا اور ہر مرتبہ جسم اس سے محفوظ رہ لے گا۔

ہاں، ایسا ہے کہ ایک دو بار کینسر سنجیدہ ہوجائے گا اور ہم اس کے قابو میں آجائیں گے، لیکن مجموعی طور پر ایسا ہونا انتہائی نایاب ہے۔ جسم کے زیادہ تر خلیات اربوں بار کاپی ہوتے ہیں اور کچھ بھی غلط نہیں ہوتا۔ کینسر اس سب میں ہونے والا بہت ہی نایاب ایونٹ ہے۔

ہمارا جسم 37.2 ٹریلین خلیات کی کائنات ہے، جو ہم آہنگی سے کام کرتے رہتے ہیں۔ ایک درد، پیٹ میں مروڑ، زخم یا دانہ۔ یہ اس پرفیکشن میں کمزوری کا ہونے والا کبھی کبھار کا اعلان ہے، جس پر ہم بہت جلد ناشکرے ہوجاتے ہیں۔ ہزاروں چیزیں ہمیں مار سکتی ہیں (عالمی ادارہ صحت کے مطابق آٹھ ہزار سے کچھ




زیادہ)، لیکن ہم اُن میں سب سے بچ جاتے ہیں، ماسوائے ایک کے۔

ہم بحیثیت انسان خود میں کئی خامیاں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارا جبڑا کچھ چھوٹا ہے۔ کمر درد بہت عام ہے۔ ہمارے پاس زیادہ تر ایسے اعضا ہیں جو خود کی مرمت نہیں کر پاتے۔ اگر ایک زیبرا فش اپنے دل کو نقصان پہنچا لے تو نیا ٹشو اُگ آتا ہے۔ اگر آپ کے ساتھ ایسا ہوجائے گا تو یہ بری خبر ہے۔ تقریباً تمام جانور اپنی وٹامن سی خود پیدا کرتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں کرسکتے۔ ہم اِس عمل کے تمام اسٹیپ کرلیتے ہیں لیکن ناقابلِ فہم بات ہے کہ صرف آخری نہیں کرسکتے، جو صرف ایک انزائم پیدا کرنا ہے۔

لیکن پھر بھی ہم انسان سے کبھی بھی جانور نہیں بننا چاہیں گے۔ کیوں کہ آپ جانداروں میں بھی ایک شاہکار ہیں۔

یاد رکھیے کہ انسانی زندگی کا کرشمہ یہ نہیں کہ ہم میں کمزوریاں نہیں بلکہ یہ کہ یہ اس قدر کم ہیں......!

جی ہاں! ہمارا بدن ہماری سوچ سے کہیں بڑھ کر ایک شاہکار ہے۔

# مدیر کی میز پر

مولانا محمد اسماعیل ریحان کو ہم برسوں سے پڑھ رہے ہیں۔ ایک زمانے میں وہ غزوہ یا جرار جیسے ہفت روزے میں ہر ہفتے خصوصی تحاریر لکھتے تھے۔ جبکہ ضرب مومن میں ان کی تاریخ افغانستان بھی پڑھنے کا موقع ملا۔ لال قلعے کا فرنگی جاسوس تحریر کا نام ہی ایسا ہے کہ بے اختیار پڑھنے کو جی چاہتا ہے لیکن برعظیم کے مسلمانوں کے ان دنوں کا احوال پڑھ کر دل کٹ سا جاتا ہے۔ ایسی تحریریں بلاشبہ مدتوں نا صرف یاد رہتی ہے بلکہ حسرت و یاس میں بھی مبتلا کر دیتی ہے۔ الف نمبر میں اس تحریر کی اشاعت نے رسالے کی وقعت میں اضافہ کیا۔

بچوں کا اسلام کے قارئین اثر جونپوری سے بخوبی واقف ہیں۔ یوں کہیں کہ اثر جون پوری نے اپنی نظموں سے بچوں کا اسلام کے قارئین کو ابتدا ہی سے محظوظ کیا ہے۔ زبان و بیان پر ان کا عبور، اردو شاعری میں کبھی کبھار انگریزی کا تڑکہ ان نظموں کو دوآتشہ کر دیتا ہے۔ عیدی ملے نظم میں وہ اپنے پسندیدہ پھل آم کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، اچھی اور مزے دار نظم ہے۔

نجم الثاقب کا ترجمہ شیر کی دم واقعی توشہ خاص ہے۔ اگر چہ اس تحریر کا کئی لوگوں نے ترجمہ کیا ہے لیکن یہ ترجمہ زیادہ آسان اور سلیس لگا۔

ڈاکٹر اسامہ زاہد کی تحریر کہانی کا تعصب موٹی ویشنل اسپیکر کے کسی سیشن کی عکاسی کر رہا تھا۔ انھوں نے کہانی کہانی میں ایک اہم کلیے کی جانب توجہ دلائی۔ الف نمبر میں چوں کہ تنوع ہے، اس لیے یہ تحریر ایک نیا ذائقہ متعارف کروا رہی ہے۔

ابو محمد کی تحریر شہید کی وصیت اچھی تحریر ہے اور ایک اہم شرعی مسئلے کی جانب بھی متوجہ کر رہی ہے۔

الف نمبر کی برکات دیکھیے کہ اشتیاق احمد کا پورا ناول ایک ہی نشست میں پڑھنے کو مل رہا ہے۔ ناول میں جگہ جگہ مختلف کرداروں کا تعارف بھی دیا گیا ہے۔ ناول کا خیال روایتی سا ہے لیکن اشتیاق احمد نے کچھ اس طرح چٹخارہ بھرا ہے کہ کوئی بھی قاری اسے پورا پڑھے بغیر رہ نہیں پاتا۔ ہوسکتا ہے کہ زیادہ بڑی عمر کے بچوں کو اس کا خیال عام سا لگے لیکن نئے پڑھنے والے بچے اس سے خوب لطف اندوز ہوئے ہوں گے۔

بچوں کے ادب میں بڑے ادیبوں نے خوب اضافہ کیا ہے۔ معروف شاعر حفیظ جالندھری کی ایک بے تکی لیکن مزے دار تحریر ایک تھا بادشاہ نے خوب محظوظ کیا۔ تحریر کا بامقصد ہونا جتنا ضروری سمجھا جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ اس بات کا التزام ہونا چاہیے کہ تحریر دل چسپ ہو۔ دل چسپی رسالے کی شہ رگ سمجھ لیں۔

سوال جواب کی صورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت بیان کی گئی۔ اس طرح مختلف خلفائے راشدین کا احوال بھی دیا گیا ہے۔ مگر مصنف کا نام ندارد ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے تھا۔

ڈاکٹر افتخار کھوکھر کی تحریر تحفے کا کمال مناسب اور روایتی خیال پر مبنی تحریر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اجالا اور نور پور ناول نے بچوں کے ادب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ نور پور جیسی کوئی تحریر الف نمبر کی زینت بننی چاہیے تھی۔

ساجدہ غلام محمد مانچسٹر سے چچا اٹکو کو پکڑ کر لائی ہیں۔ ساجدہ غلام ان خوش نصیب قلمکاروں میں سے ہیں جن کی تحریر کے دو اسکیچ بنے ہیں۔ چچا اٹکو کے اٹکنے کو خوبی سے بیان کیا ہے۔ چچا چھکن کے بعد بہت سارے چاچے اور ماموؤں نے بچوں کے ادب میں جگہ بنائی ہے۔ اس میں بہت کم ہی کردار جم پائے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ ساجدہ غلام اس سلسلے کو کہاں تک لے جا پاتی ہیں اور ہمیں امید ہے کہ انھوں نے اس پر اتنی ہی توجہ دی جتنی آج کل اپنے بلاگ کو دے رہیں تو یقین کیجیے کہ چچا اٹکو... زیادہ نہیں بھی تو چچا چھکن کے اریب قریب پہنچ ہی جائے گا۔

کچھ کہانیاں پانی کی طرح ہوتی ہے۔ خاموشی سے بہتی ہوئی سرسبز ہریالی کے نشانات چھوڑ جاتی ہے۔ جاوید بسام کی کہانیاں کچھ ایسی ہی ہوتی ہیں۔ جان دار خیال، سادگی و پرکاری اور کہانی کے تمام جملے لوازمات کو پورا کرتی۔ جاوید بسام ہمارے دور کے اینڈ بلیٹن ہیں۔ ان کی ایسی ہی ایک مزے دار اور مختصر کہانی اندھیرا اجالا الف نمبر کو رونق بخش رہی ہے۔ کیا مزے دار کہانی ہے، بار بار پڑھنے اور بچوں کو سنانے والی۔

بچوں کے معروف مصنف مرزا ادیب کی تحریر مانگنے سے نفرت ایک زمانے تک اردو کی درسی کتابوں میں شامل رہی۔ مختصر اور اچھی تحریر۔

سیف اللہ خالد کی نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اچھی کاوش ہے۔

عظیم لطیف کا تعارف نہیں دیا گیا لیکن ان کا مضمون شیروں کا خاندان ان کے تعارف کا حوالہ بن گیا۔ کیا ہی خوب مضمون لکھا، کئی گتھیاں بھی سلجھائی گئیں۔ مضمون اگر چہ طویل ہے لیکن بوریت ذرا برابر محسوس نہیں ہوتی۔ بہت خوب عظیم لطیف صاحب!

بینا صدیقی اپنے نٹ کھٹ چلبلے جملے اور صورت حال کے ذریعے نا صرف قاری کو محظوظ کرتی ہے، بسا اوقات قاری چونک جاتا ہے۔ خصوصاً ان کی کہانیوں کا اختتام قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ الف نمبر میں شامل ان کی تحریر فریج میں رکھا روزہ اسی طرح کی ایک کہانی ہے۔ قاری کو چونکانے اور سوچنے پر مجبور کرنے والی۔

بچوں کا اسلام کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہاں جیلوں میں قید قیدی نہ صرف بچوں کا اسلام کے قاری ہیں بلکہ لکھتے بھی ہیں۔ کراچی سنٹرل جیل سے ابوالحسن نے اپنے شہر میانوالی کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے، اس نقشے میں زیادہ اچھا رنگ بھرا جا سکتا تھا اگر تحریر میں معلومات کے ساتھ احساسات کو بھی زیادہ جگہ دی جاتی۔ ایک اچھی کاوش! اللہ آپ کے معاملات کو آسان فرمائے۔ آمین۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اسابنت حکیم کر رہی ہے، گویا الف نمبر میں تمام رنگ بکھر دیے گئے ہیں۔

ریحانہ تبسم فاضلی صاحبہ سے غائبانہ تعارف ہے۔ ان کی متعدد کتابیں اب

# سیبوں کا باغ اور کانٹے دار بیل

محمد فیصل علی

یہ سیبوں کا باغ تھا۔ یہاں سیب کے درخت خوش وخرم زندگی گزار رہے تھے۔ ایک دن ایک سیب کے درخت نے اپنے جسم پہ عجیب سی تبدیلی دیکھی، اس کے تنے کے ساتھ ایک کانٹے دار بیل لپٹی ہوئی تھی۔

''تم کون ہو؟ ہٹو یہاں سے؟''

سیب کے درخت نے اس نیچے اتارتے ہوئے کہا۔

''میں بغیر سہارے کے اپنا وجود فضا میں نہیں ٹھہرا سکتی، میں بے چاری ہر وقت زمین پہ پڑی رہتی ہوں، کیا تم مجھے اوپر کی خوب صورت فضا دیکھنے دوگی۔''

کانٹے دار بیل نے نہایت لجاجت سے کہا۔

''ہونہہ! کیا تم سیر کرنا چاہتی ہو؟'' سیب کے درخت نے پوچھا۔

''جی جی، میں سیر کر کے یہاں سے اتر جاؤں گی، چلی جاؤں گی۔''

بیل نے جلدی جلدی سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے، آجاؤ۔''

سیب کے درخت نے اسے اجازت دے دی۔ اب بیل تیز رفتاری سے اوپر چڑھنے لگی، یہ بیل تو سیب کے اندازے سے بھی لمبی تھی۔ اس نے پورے سیب کے درخت کو گھیر لیا، اور اس کی شاخوں کو جکڑ لیا، سیب کو گھٹن سی ہونے لگی۔

''ارے مجھے چھوڑو، بس کرو، اتر جاؤ، میرا دم گھٹ رہا ہے۔''

سیب نے زور لگاتے ہوئے اس بیل کو ہٹانے کی کوشش کی۔ جواب میں وہ بیل زور سے طنزیہ انداز میں ہنسی۔ گویا اس نے جھوٹ بولا تھا، اور اب وہ سیب کے اس درخت پہ قبضہ کر چکی تھی، بالکل انگریزوں کی طرح جنھوں نے ہندوستان میں آتے وقت کہا تھا کہ ہم صرف سیر وسیاحت کے لیے آئے ہیں، مگر پھر انھوں نے یہاں پہ قبضہ جما لیا تھا۔ اب حالت یہ تھی کہ بیل اس درخت کے علاوہ دیگر تین درختوں پہ بھی پھیل چکی تھی اور اس نے قبضہ جما لیا تھا۔ درخت بے چارے زور لگا لگا کر تھک چکے تھے مگر وہ اس کانٹے دار بیل سے پیچھا نہیں چھڑا سکے تھے۔

ایک روز وہ تینوں درخت مایوسی کے عالم میں سر جھکائے کھڑے تھے کہ اچانک سورج کی ایک شوخ کرن نے انہیں جھنجوڑا:

''ارے کاہلو اٹھو اور اپنا حق لو۔''

''مگر کیسے؟ ہم کوشش کر کے دیکھ چکے ہیں۔''

''بالکل، مگر الگ الگ رہتے ہوئے، کیا تم نے متحد ہو کر کوشش کی ہے۔''

کرن کی بات سن کر وہ سبھی چونک گئے۔

''ارے ہاں، یہ تو ہم بھول گئے تھے۔''

سیب کے درختوں نے کہا اور پھر انہوں نے مل کر ایک زور کا جھٹکا دیا، جس سے کانٹے دار بیل ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئی اور زمین بوس ہوگئی۔ اتحاد جیت چکا تھا اور دشمن ہار چکا تھا۔

☆☆☆

---

تک شائع ہو چکی ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ بہت اچھی شاعرہ بھی ہیں۔ الف نمبر میں ان کی طویل نظم حضرت زینب رضی اللہ عنہا شائع ہوئی۔ کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

حماد ظہیر ویسے تو ماہنامہ ساتھی کے مستقل لکھاری ہیں لیکن گزشتہ چند عرصے سے وہ بچوں کا اسلام میں بھی رونق لگا رہے ہیں۔ چپلوں کی کرامت میں اشتیاق احمد کا اسلوب نظر آیا۔ خود حماد ظہیر نے بھی اس کی وضاحت کی کہ انھوں نے اشتیاق احمد کے اسلوب میں کہانی لکھ کر انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

مجاہد ہمایوں تارڑ ایک اچھے کہانی نویس ہیں۔ ایک تصویر پر انھوں نے بڑی خوبی کے ساتھ تحریر بن دی۔ پڑھنے کے لائق ایک اچھی سائنسی کہانی۔

شوربے کا پتھر بڑی ہی مزیدار کہانی ہے۔ سلیم مغل صاحب سے متعدد بار اس کہانی کا تذکرہ سنا ہے۔ مشکلات کو انگیز کرنے کے لیے دماغ کا استعمال اتنا بھی برا نہیں۔

مولانا محمد حسین آزاد کی شاندار نثر سے کون واقف نہیں۔ ان کی مختصر حکایات کے بارے میں سن رکھا تھا۔ الف نمبر میں ان حکایات کو باتصویر پڑھنے سے لطف دوبالا ہو گیا۔

گلاب جامن کا پیڑ! علی اکمل تصور کی ایک اچھے خیال پر مبنی قدرے مشکل کہانی۔ عموماً تحریر میں زیادہ المیہ ڈال دینے سے وہ بچوں کے بجائے بڑوں کے لیے زیادہ موزوں لگتی ہے۔

محمد فضیل فاروق کچھ عرصے سے بچوں کے ادب میں متحرک ہو کر اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ ادیب صاحب کی غلطی ہلکی پھلکی سی تحریر ہے لیکن الف نمبر کا تقاضا تھا کہ اس تحریر پر مزید محنت کی جاتی۔

سعود عثمانی صاحب نے مختصر مگر پُراثر قسم کا تعارف مسجد جہاں نما میں یعنی جامع مسجد دہلی کا تعارف پیش کیا۔ واقعی ہمیں اس مسجد کا یہ اصل نام پہلی بار معلوم ہوا۔ شکریہ سعود عثمانی بھائی!

تصویریں بھی انسان کے تخیل کو کیا اڑان بخشتی ہے۔ عمر گیلانی کی تصاویر میں ایک جہاں بسا ہوا ہے۔ فاطمہ زبیر نے بڑی خوبی کے ساتھ ایک تصویر کو کہانی کا روپ دے کر بچوں کی دلچسپی کا سامان پیدا کیا۔

ماورا گل کی کبوتر کتنی مختصر کہانی ہے لیکن یہ دیکھیے کہ کتنی زوردار ہے۔ واقعی موبائل نے انسانوں کو اپنی غلامی میں جکڑ لیا ہے۔ آپ موبائل نہیں چلا رہے ہوتے ہیں بلکہ موبائل آپ کو چلا رہا ہوتا ہے۔ ذرا غور کیجیے... ہوش اڑ جائیں گے۔

(باقی آئندہ)